فکرِ اقبال میں اجتہاد کی اہمیت

ڈاکٹر شفیق عجمی

۱۹۸۸ء میں وطن عزیز پاکستان میں حکومتی تبدیلی کے ساتھ ہی بیشتر علمی اداروں کے سربراہوں کی تبدیلی بھی عمل میں آئی۔ اقبال اکادمی پاکستان میں پروفیسر شہرت بخاری (مرحوم) کو بطور ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ ان دِنوں اکادمی کا دفتر ماڈل ٹاؤن لاہور کی ایک کوٹھی میں قائم تھا۔ بخاری صاحب ستر کی دہائی کے وسط میں گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور میں راقم کے استاد تھے۔ معروف شاعر تھے اور اُن سے اصلاح لینے والے طلبہ کی بڑی تعداد ہمیشہ ان کے اردگرد نظر آتی تھی۔ وہ نظم و ضبط کے پابند تھے، مزاج میں سختی تھی لیکن ادب سے شغف رکھنے والے طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ملازمت سے ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد بھی ان سے رابطہ رہا۔ ۸۰ کی دہائی میں وہ سخت سیاسی دباؤ کا شکار رہے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ کئی برسوں تک برطانیہ میں بھی مقیم رہے۔ اکادمی میں ان کے تقرر کے بعد ان سے ملاقات ہوئی۔ راقم اُن دِنوں بطور لیکچرار محکمۂ تعلیم سے وابستہ تھا اور ایک

یونیورسٹی سے ایم۔فِل اقبالیات کی تکمیل میں مصروف تھا۔ اتفاق سے راقم کے نگران کار، ڈاکٹر وحید عشرت بھی اقبال اکادمی سے وابستہ تھے۔

ایک روز بخاری صاحب کے ساتھ اپنی ملاقات میں راقم نے اقبال اور اجتہاد کے حوالے سے لکھا گیا اپنا مضمون اقبال اکادمی کے مجلہ ''اقبالیات'' میں اشاعت کے لیے پیش کیا۔ بخاری صاحب نے اسی وقت اُسے جستہ جستہ پڑھ ڈالا اور اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی کیا۔ انہوں نے ڈاکٹر عشرت کو بلا کر کہا کہ آئندہ ہفتے حلقہ اقبال کے ہونے والے ماہانہ اجلاس میں یہ مضمون پڑھا جائے گا اور ساتھ ہی ان کو ہدایت کر دی کہ اجلاس کی صدارت ڈاکٹر یوسف گورائیہ صاحب فرمائیں گے، لہٰذا ان کو بھی مطلع کر دیجیے۔ اس سے پہلے کسی علمی مجلس میں اہل علم کے سامنے مضمون پڑھنے کا مجھے اتفاق نہ ہوا تھا اور وہ بھی ڈاکٹر یوسف گورائیہ جیسے سکالر کی صدارت میں جو ان دنوں تواتر کے ساتھ اقبال اور اجتہاد کے حوالے سے لکھ رہے تھے اور علمی حلقوں میں discuss بھی ہو رہے تھے، میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

بخاری صاحب سے حیلے بہانے کیے، معذرت بھی کی جسے انہوں نے مسترد کر دیا۔ لہٰذا مقررہ تاریخ پر حلقۂ اقبال کے اجلاس میں حاضر ہو کر یہ مضمون پڑھنا پڑا۔ نہ صرف ڈاکٹر یوسف گورائیہ صاحب نے اجلاس کی صدارت کی بلکہ اپنے طویل صدارتی خطبے میں اجتہاد کے حوالے سے اقبال کے موقف اور عصر حاضر میں اس کی اہمیت پر پُر مغز اور مدلل گفتگو کی۔

تقریب کے اختتام پر چائے پیتے ہوئے گورائیہ صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آپ تو مضمون پڑھ کر صاف بچ نکلے اور اطمینان سے اپنی جگہ پر جا بیٹھے اور مجھے ایک لمبی تقریر بھی کرنا پڑی اور حاضرین کے سوالوں کے جوابات بھی دینا پڑے۔ اس اجلاس میں انتظار حسین، سجاد رضوی اور کئی دوسرے ادیب اور دانشور بھی موجود تھے۔ انتظار حسین اُن دِنوں انگریزی روزنامے فرنٹیئر پوسٹ (Frontier Post) میں، Point Counterpoint کے تحت کالم لکھا کرتے تھے۔ مذکورہ اجلاس کے حوالے سے انھوں نے بعنوان ''Opening

Doors" کالم تحریر کیا جو مورخہ ۴ دسمبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں شامل تھا۔

انتظار حسین نے اپنے کالم میں بخاری صاحب کی ان کاوشوں کو سراہا جو انھوں نے حلقۂ اقبال کو از سرِ نو فعال بنانے کے لئے انجام دیں بلکہ اس طرح سے دانشوروں اور محققوں کو اقبال کے حوالے سے علمی مکالمے کے لیے ایک موثر فورم بھی مہیا کیا۔

ذیل میں مذکورہ کالم سے دو اقتباسات درج کیے جاتے ہیں جن میں کالم نگار نے حلقۂ اقبال کی بحث کو خوبصورتی سے سمو دیا ہے:

> *"The article was written by Mr. Shafique Ajami, a lecturer from Government College, Sheikhupura, who had attempted to determine the place of 'Ijtehad' in Iqbal's thought. He referred to one of Iqbal's lectures wherein he has specifically discussed the "principle of movement in the structure of Islam". The growth of the democratic spirit and the establishment of legislative assemblies in Islamic countries were regarded by him as a progressive step. The writer quoted from different writings of Iqbal and concluded that he had advocated the principle of Ijtehad and favoured the right of Ijtehad and favoured the right of ijtehad tobe delegated to parliament rather than to the religious Ulema."*

اس سے آگے وہ لکھتے ہیں:

> *"Dr. Muhammad Yusuf Goraya elaborated on what had been said by Shafique Ajami. He upheld the principle of 'Ijtehad' and said that in fact the concept of the termination of the institution of 'Nabuwat' had given birth to the doctrine of 'Ijtehad'."*

یہ مضمون مجلّہ اقبالیات کے جنوری مارچ ۱۹۹۳ء کے شمارے میں شائع ہوا جبکہ

بخاری صاحب کے بجائے مجلے کے مدیر پروفیسر محمد منور تھے۔ گزشتہ بیس بائیس برسوں کے دوران میں نہ صرف خطبات اقبال کے اردو تراجم منظر عام پر آئے بلکہ خطبہ اجتہاد کی تسہیل و توضیح کے حوالے سے متعدد تصانیف بھی اس علمی سرمائے میں اضافے کا ذریعہ ثابت ہوئی ہیں۔

اس حوالے سے بنیادی نوعیت کا کام پروفیسر سعید شیخ کا ہے جنہوں نے برسوں کی دیدہ ریزی کے بعد خطبات اقبال *Reconstruction of Religious Thought in Islam* کا محشیٰ ایڈیشن مرتب کیا۔ خطبات اقبال کے حوالے سے کی جانے والی تحقیق، تنقید اور توضیح و ترجمہ کے لئے ایک مستند متن کی اشاعت بلاشبہ ایک تحقیقی کارنامہ ہے۔ دقیق علمی و فکری موضوع کے بموجب خطبات کا حلقہ محدودتر رہا ہے لیکن شیخ صاحب مرحوم کے مرتبہ نسخے کی متعدد اشاعتیں اس کی مقبولیت اور فیض رسانی کی شاہد ہیں اور یقینی طور پر اسکالرز اور طلبہ اس سے استفادہ کر رہے ہیں۔

خطبات کی تسہیل و تفہیم کے لئے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد اور اقبال اکادمی پاکستان نے کئی مجموعے شائع کیے ہیں. اقبال کے تصور اجتہاد پر نامور سکالرز کے مقالات کو ڈاکٹر سید حسین محمد جعفری نے ۱۹۸۸ء میں ''اقبال __ فکر اسلامی کی تشکیل جدید'' کے عنوان سے پاکستان اسٹڈی سینٹر جامعہ کراچی سے شائع کیا۔ ڈاکٹر خالد مسعود نے اقبال کے تصور اجتہاد کے حوالے سے اردو اور انگریزی میں قابل قدر تحقیق کی ہے۔ ''اقبال اور اجتہاد اور'' Iqbal's Reconstruction of Ijtehad'' کے علاوہ ڈاکٹر ایوب صابر اور محمد سہیل عمر کے مرتبہ مجموعہ مقالات، ''علامہ اقبال کا تصور اجتہاد'' کا پہلا مقالہ بھی ڈاکٹر صاحب کا لکھا ہوا ہے جس میں اس موضوع پر اردو کی بیشتر تحریروں کے حاصلاتِ فکر سمٹ آئے ہیں۔

ڈاکٹر جاوید اقبال نے ''خطبات اقبال __ تسہیل و تفہیم'' میں بالخصوص خطبۂ اجتہاد

کا بنظر غائر جائزہ لیا ہے۔

خطباتِ اقبال کا پہلا اُردو ترجمہ (تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ) کرنے کا اعزاز، اقبال کے معتمد ساتھی سید نذیر نیازی کو حاصل ہے۔ علمی حلقوں میں اس کا خیر مقدم بھی کیا گیا لیکن ساتھ ہی ساتھ اس پر مشکل اور دقیق ہونے کے اعتراضات بھی کیے گئے۔ شاید اسی کو جواز بنا کر خطبات کے اب تک کئی اردو تراجم کیے جا چکے ہیں۔

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے ''فکرِ اقبال'' کے آخر میں خطبات کا اردو خلاصہ بھی شامل کیا تھا جسے نامعلوم وجوہات کی بنا پر بعد میں حذف کر کے علیحدہ سے شائع کیا گیا۔ یہ خلاصہ محققین اور مترجمین کے لیے بنیادی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ پروفیسر عثمان نے ''فکر اسلامی کی تشکیل نو'' کے عنوان سے خطبات کی ترجمانی یا تشریح پیش کی۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے ''خطبات اقبال پر ایک نظر'' کے عنوان سے قرآن و حکمت کی روشنی میں اس کا مدلل جائزہ لیا ہے۔ اس عنوان سے ایک کوشش پروفیسر شریف بقا کی بھی نظر آتی ہے۔ لیکن سید نذیر نیازی کے بعد خطبات کا مکمل اور باضابطہ ترجمہ پنجابی زبان و ادب کے نامور محقق، پروفیسر شریف کنجاہی نے ''مذہبی افکار کی تعمیر نو'' (۱۹۹۲ء) کے عنوان سے کیا۔ یاد رہے کہ کنجاہی صاحب نے خطبات اقبال کو پنجابی روپ میں بھی موثر طریقے سے ڈھالا ہے۔ شہزاد احمد نے ''اسلامی فکر کی نئی تشکیل'' (۲۰۰۰ء)، ڈاکٹر وحید عشرت نے ''تجدید فکریات اسلام'' (۲۰۰۲ء) اور ڈاکٹر محمد آصف اعوان نے خطبات اقبال کو اردو میں ترجمہ کرنے کے علاوہ اس کا ایک تحقیقی و توضیحی مطالعہ بھی ''معارفِ خطبات اقبال'' (۲۰۰۹ء) کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ متذکرہ بالا اقبال شناسوں نے فکر اقبال کے اس بنیادی مصدر، خطبات اور اس کے مباحث کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

راقم نے اپنی علمی استعداد کے مطابق اس سرمائے کا جائزہ لے کر 1990ء کے اپنے مضمون کو Update کرنا ضروری خیال کیا ہے۔ کیونکہ مضمون میں بعض حوالہ جات

نامکمل تھے اور بعض جگہ ثانوی ماخذ پر انحصار کیا گیا تھا۔

اسلامی فکر کی تاریخ میں علامہ اقبال کو ایک بلند مقام حاصل ہے اور ان کی ان فکری وعلمی کاوشوں کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہے گا جو انہوں نے ایک محکوم مسلم معاشرے کی زبوں حالی، پستی اور بے عملی کو ختم کرنے کے لئے عمر بھر سرانجام دیں۔ ایک آزاد اسلامی مملکت کے حصول کی صورت میں انہوں نے پورے عالم اسلام کی آزادی اور اسلامی اصولوں کی سربلندی کا جو خواب دیکھا تھا وہ نہ صرف ان کی شعری وفکری تخلیقات کا مرکزی نقطہ تھا بلکہ خود اُن کے لیے ایک حاصل حیات کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔

مسئلۂ اجتہاد کی اہمیت، علامہ اقبال کے نزدیک کیا تھی؟ اس کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ مسئلہ ہمیشہ ان کے خصوصی غور وفکر کا مرکز رہا۔ اس حوالے سے انہوں نے اپنی معاصر دینی شخصیات سے گفت وشنید بھی کی اور خط وکتابت کے ذریعے سے بھی اس مسئلے کے متنوع پہلوؤں پر ان کے موقف سے آگاہی حاصل کی، اپنا نقطۂ نظر واضح کیا اور اس طرح سے خطبۂ اجتہاد کے اساسی مباحث کا خاکہ تیار کیا۔

اسلامی فکر کی نئی تشکیل کے موضوع پر ان کے خطبات ''Reconstruction of Religious Thought in Islami'' کا چھٹا خطبہ اسی موضوع پر دیا گیا جسے انہوں نے ''Principal of Movement in the Structure of Islam'' کا عنوان دیا ہے۔ اس کو اقبال کے لفظوں میں اجتہاد کی مختصر ترین تعریف قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس خطبے میں اقبال نے اسلامی فکری تاریخ میں اجتہاد کی اہمیت اور معنویت کے بارے میں اپنے حاصلات فکر کو بڑی خوبی سے بیان کردیا ہے جس کا جائزہ لینے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ اجتہاد کیا ہے؟

اجتہاد کیا ہے؟

امام راغب اصفہانی کے نزدیک اجتہاد کے معنی ہیں کسی مشکل کام کے لئے اپنی

پوری طاقت صرف کر دینا اور انتہائی جدوجہد سے کام لینا۔ فقہ کی اصطلاح میں اجتہاد سے مراد غور و فکر کے ذریعے کسی ایسے مسئلے کو حل کرنا ہے جس کے متعلق قرآن و سنت سے واضح احکام نہ ملتے ہوں (۲) مختصراً ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن و سنت کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کے حل کے لئے کی جانے والی کوششوں کا نام اجتہاد ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اجتہاد قرآن و سنت کے فریم ورک کے اندر رہ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔

''فرہنگِ اقبال'' کے مولف نے اجتہاد کے جو معنی بیان کیے ہیں وہ نہ تو لغوی کہے جا سکتے ہیں اور نہ وہ اصطلاحی کے ذیل میں آتے ہیں بلکہ یہ سراسر ان کی طباعی کا نتیجہ ہی ہو سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک اجتہاد معلوم باتوں کو خزانۂ دماغ میں ترتیب دے کر نتیجے میں ایک نامعلوم بات اخذ کرنے کا عمل ہے۔ (۳) اپنی اس خود ساختہ تعریف کی وضاحت میں انہوں نے ''ضرب کلیم'' کی نظم ''اجتہاد'' کا حوالہ دیا ہے جس میں ان کے نزدیک اقبال نے اشاروں اشاروں میں یہ کہا ہے کہ مسلمانوں میں اجتہاد کا دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے قرآن پاک اور شریعت کے مطالب مسخ ہوتے چلے جاتے ہیں اس لئے اجتہاد نہایت ضروری ہے۔ (۴)

اقبال کے تصور اجتہاد کے حوالے سے ہمیں اس کے اصطلاحی یعنی فقہی معنی مطلوب ہیں جسے غازی اجمیری کی ''مصطلحات'' بخوبی فراہم کرتی ہے۔ لفظ اجتہاد کے تحت انہوں نے لکھا ہے: جو حکم شرعی مقصود ہو، اس کے معلوم کرنے کے لئے قرآن و حدیث اور آثار میں غور و فکر و کاوش اور سعیِ بلیغ کے ذریعے دلائل اور ثبوت فراہم کرنا۔ (۵)

دراصل اقبال کے تصور اجتہاد کی تفہیم ان کے تصور حیات و کائنات کی تفہیم سے منسلک ہے جو انہوں نے قرآن سے اخذ کیا ہے۔ ان کے نزدیک اسلام ایک ایسی تحریک ہے جو کائنات کے سکونی نظریے کو مسترد کرتی ہے۔ وہ نوع انسانی کی وحدت پر یقین رکھتے ہیں اور حیات کی اصل ان کے مطابق روحانی ہے جسے وہ ذاتِ الٰہیہ بھی کہتے ہیں جو ایک قائم دائم

وجود ہے جسے ہم تغیر و تبدل میں جلوہ گر دیکھتے ہیں۔ اگر معاشرے کی اساس حقیقت الٰہیہ کے اس تصور پر مبنی ہے تو پھر اس کے دونوں پہلوؤں یعنی ثبات اور تغیر کو قبول کرنا ہوگا۔ اقبال سوال کرتے ہیں کہ اسلام کی ہیئت ترکیبی میں وہ کون سا عنصر ہے جو اس کے اندر حرکت اور تغیر کو قائم رکھتا ہے۔ اس کا جواب ہے اجتہاد۔ (۶)

> *"The word literally means to exert In the terminology Islamic Law it means to exert with a view to form an independent judgement on a legal question."* (7)

اقبال اجتہاد کی اساس قرآن حکیم کی اس آیت کو قرار دیتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے۔ (۸)

قرآنی استشہاد کے بعد اقبال اجتہاد کی مزید وضاحت کے لیے حدیث مبارکہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا عامل مقرر کیا تو فرمایا: معاملات کا فیصلہ کیسے کرو گے؟ اُنہوں نے کہا، کتاب اللہ کے مطابق، لیکن اگر کتاب اللہ نے ان میں تمہاری رہنمائی نہیں کی تو پھر؟ پھر اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق۔ لیکن اگر سنتِ رسول ﷺ بھی ناکافی ٹھہری تو؟ اس پر حضرت معاذؓ نے کہا تو پھر میں خود ہی کوئی رائے قائم کرنے کی کوشش کروں گا۔ (۹)

مولانا محمد طاسینؒ نے اس حدیث مبارکہ سے درج ذیل نتائج اخذ کیے ہیں:

۱۔ اجتہاد کا تعلق ایسے مسائل سے ہے جن کے بارے میں قرآن و سنت کے اندر واضح حکم موجود نہ ہو۔

۲۔ اجتہاد کا اہل وہ شخص ہوتا ہے جو کتاب و سنت کے علم کے ساتھ ساتھ تفقہ فی الدین اور گہری سوجھ بوجھ بھی رکھتا ہو۔

۳۔ اجتہاد نہ صرف شرعاً جائز ہے بلکہ مستحب اور واجب العمل ہے، اس لئے کہ

رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ حضرت معاذؓ کو اس سے روکا نہیں بلکہ اس پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ (۱۰)

مذکورہ حدیث اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ ایسے تمام خود ساختہ فیصلے اور ذاتی تعبیر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں جن کو بنیاد بنا کر اجتہاد کے دروازے کو بند قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء کو صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے نام اپنے ایک مکتوب میں اسی مسئلے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں۔ میں نے ایک بہت بڑے عالم کو یہ کہتے سنا کہ حضرت امام ابوحنیفہ کا نظیر ناممکن ہے۔ (۱۱) اسی مکتوب میں وہ مزید لکھتے ہیں ''میری رائے ناقص میں مذہب اسلام اس وقت گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جارہا ہے اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ (۱۲)

برصغیر کی اسی مخصوص تقلیدی فضا کے پس منظر میں انہوں نے ''اجتہاد'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی تھی جو ''ضربِ کلیم'' میں شامل ہے اور جس کا حوالہ پہلے دیا جاچکا ہے:

اجتہاد

ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذت کردار نہ افکار عمیق
حلقۂ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں
آہ محکومی و تقلید و زوال تحقیق
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق (۱۳)

اقبال اپنی بصیرت سے بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لے رہے تھے اس لئے وہ یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ مذہب اسلام اس وقت زمانے کی کسوٹی پر پرکھا جارہا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ جہاں سائنسی ایجادات و اکتشافات سے انسانی زندگی کے لئے آسائشیں پیدا ہوں گی وہیں اُسے نت نئے پیچیدہ مسائل کا چیلنج بھی درپیش ہوگا۔ تقلید پرستی کی فضا میں ان مسائل کا حل ڈھونڈنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوکر رہ جائے گا۔ اس لئے کہ بدلتے ہوئے حالات میں درپیش مسائل کو صرف اصول اجتہاد ہی کے ذریعے حل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اجتہاد کے بارے میں مذہبی طبقے کے خیالات سے بخوبی واقف ہونے کے بلوجود علامہ نے اجتہاد کی ضرورت کو پورے وثوق اور یقین کے ساتھ پیش کیا:

''مجھے اس امر کا بھی یقین ہے کہ جونہی فقہ اسلام کا مطالعہ غائر نگاہوں سے کیا گیا اس کے موجودہ ناقدین کی یہ رائے بدل جائے گی کہ اسلامی قانون جامد یا مزید نشوونما کے ناقابل ہے۔ بدقسمتی سے اس ملک کے قدامت پسند مسلم عوام کو ابھی یہ گوارا نہیں کہ فقہ اسلامی کی بحث میں کوئی تنقیدی نقطۂ نظر اختیار کیا جائے۔ وہ بات بات پر خفا ہوجاتے اور ذرا سی تحریک پر بھی فرقہ وارانہ نزاعات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ (۱۴)

اجتہاد کے حوالے سے ہونے والے مباحث میں اجتہاد کے ساتھ ساتھ رائے، قیاس، عقلیت اور تقلید جیسی اصطلاحات بھی زیرِ بحث آتی ہیں۔ ڈاکٹر خالد مسعود نے تفصیلی طور پر اُن اصطلاحات کی وضاحت کی ہے جس کو اختصار کے ساتھ یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

اجتہاد اور رائے

ڈاکٹر خالد مسعود نے اقبال کے تصورِ اجتہاد کی تفہیم کے لئے اس کا اسلامی تاریخ کے تناظر میں جائزہ لیا ہے۔ ان کی رائے میں فقہ اسلامی کے آغاز میں 'اجتہاد' کو 'رائے' کے معنوں میں لیا گیا۔ یہ رائے قرآن اور سنت سے ملنے والی واضح دلیل کی عدم موجودگی میں غوروفکر کے نتیجے میں دی جاتی تھی اور یہ رائے اس عالم کی دانست میں قرآن وسنت کے منشا

کے مطابق ہوتی تھی۔

اجتہاد اور قیاس

امام شافعی کے ہاں 'اجتہاد' اور 'قیاس' مترادف معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ ابتدائی دور میں 'قیاس' عقلی طرز استدلال کا نام تھا۔ ابن تیمیہ کے نزدیک فقہی قیاس منطقی قیاس سے قطعاً مختلف نہیں۔

اجتہاد و عقلیت پسندی

دورِ اول میں اجتہاد 'عقلیت پسندی' کے معنی میں معتزلہ کی تحریک کے دوران مستعمل ہوا اور دورِ جدید میں قدامت پسندی اور جدت پسندی کے تضاد کے نتیجے میں سامنے آیا۔

اجتہاد اور تقلید

اجتہاد اور تقلید کی اصطلاحیں باہم متضاد مفاہیم کے طور پر سامنے آئیں۔ تقلید کے عمومی معنی سے قطع نظر نئے زمانے میں تقلید کے جو مفاہیم اُبھرے ہیں، ان میں جمود، عقل دشمنی، قدامت پسندی، رجعت پسندی وغیرہ کے ہیں۔ 'تقویت الایمان' میں شاہ اسماعیل شہید کا موقف یہ ہے کہ تقلید کے معنی یہ ہیں کہ بے دلیل کے دریافت کئے کسی کے حکم کو مان لینا اور یہ دریافت نہ کرنا کہ اس نے کس سبب سے یہ حکم کیا۔ سو اکثر لوگ مولویوں اور درویشوں کو حاکم شرع کا جانتے ہیں۔ ایسی تقلید بدعت اور حرام ہے۔ (۱۵)

اصول اجتہاد کے مختلف پہلوؤں کے جائزے سے اجتہاد کی دو قسمیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ شخصی اجتہاد

۲۔ اجتماعی اجتہاد

شخصی یا انفرادی اجتہاد کے علاوہ اجتماعی اجتہاد کی روایتیں بھی موجود ہیں جن میں سے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کو متعدد جگہوں پر بیان کیا گیا ہے جس کی رُو سے جناب علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ ہمیں ایسے امور کے بارے میں رہنمائی فراہم کریں جن میں قرآن وسنت سے واضح اشارہ نہیں ملتا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ علما اور عبادت گزار لوگوں سے مشاورت کرو اور شخصی رائے پر عمل نہ کرو۔ گویا کسی مسئلے کے حل کے لئے اہل الرائے کا متفقہ طور پر کسی نتیجے تک پہنچنا بھی اجتہاد ہی کی ایک صورت ہے۔ اور ایسے امور میں اجتماعی اجتہاد، شخصی اجتہاد پر فائق ہوگا۔

اجتہاد کا حق

شخصی اجتہاد کے بجائے اجتماعی اجتہاد پر اصرار کی ایک بنیادی وجہ دورِ حاضر کے گوناگوں مسائل اور ان کی تکنیکی پیچیدگیاں بھی ہیں۔ علوم کی وسعت اور پھیلاؤ بھی اجتماعی دانش اور تدبر کے متقاضی ہیں۔ فقہی مکاتیب کے اختلافات بھی شخصی اجتہاد کی راہ میں مانع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کسی مخصوص مذہبی گروہ کو اجتہاد کا حق دینے کے بجائے اسے ایک منتخب قانون ساز مجلس (پارلیمنٹ) کو تفویض کرنے کے حق میں ہیں:

> ’’بلادِ اسلامیہ میں جمہوری روح کی نشوونما اور قانون ساز مجالس کا بہ تدریج قیام ایک بڑا ترقی کا قدم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذاہب اربعہ کے نمائندے جو سرِ دست فرداً فرداً اجتہاد کا حق رکھتے ہیں، اپنا یہ حق مجالس تشریعی کو منتقل کردیں گے۔ یوں بھی مسلمان چونکہ متعدد فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، اس لئے ممکن بھی ہے تو اس وقت اجماع کی یہی شکل... میرے نزدیک یہی ایک طریقہ ہے جس سے کام لے کر ہم زندگی کی اس روح کو جو ہمارے نظاماتِ فقہ میں خوابیدہ ہے از سرِ نو بیدار کرسکتے ہیں۔‘‘ (۱۶)

ترکی میں خلافت کے خاتمے اور اسی منصب کے اختیارات کو فرد واحد کی بجائے ایک منتخب شدہ مجلس (پارلیمنٹ) کو تفویض کردیے جانے کو اقبال ترکوں کا اجتہاد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''البتہ میرا خیال ہے کہ ترکوں کا یہ نقطۂ نظر سراسر درست ہے، اتنا درست کہ اس کی تائید میں کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس لئے کہ ایک تو جمہوری طرز حکومت اسلام کی روح کے عین مطابق ہے، ثانیاً اگر ان قوتوں کا بھی لحاظ رکھ لیا جائے جو اس وقت عالم اسلام میں کام کررہی ہیں تو یہ طرزِ حکومت اور بھی ناگزیر ہوجاتا ہے۔'' (۱۷)

اقبال کے خطبات بالعموم اور خطبۂ اجتہاد بالخصوص کچھ لوگوں کی آنکھ میں کھٹکتا رہا ہے اور اس کی بنیادی وجہ وہی ہے جو زیر بحث خطبے میں اقبال کے حوالے سے سامنے آتی ہے اور جس کی رُو سے اقبال اجتہاد کا حق ''عالمانِ کم نظر'' کو اور نہ ہی کسی بھی مذہبی گروہ کو دینے کی بجائے منتخب پارلیمنٹ کو تفویض کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کف افسوس ملتے ہوئے اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ کاش اقبال نے خطبات نہ لکھے ہوتے اور کبھی، فقہ اسلامی سے اقبال کی عدم واقفیت پر رائے زنی کی جاتی ہے۔

اقبال کی وفات کے ستر برس بعد ملفوظات پر مبنی امالی کی دریافت اور انکشاف بھی انہی حضرات کا ''کارنامہ'' ہے جو اپنی Domain میں اقبال کی آمد کو ناپسندیدہ تصور کرتے ہیں کیونکہ اقبال دین پر ان کی اجارہ داری اور اتھارٹی کو ہمیشہ چیلنج کرتے رہے ہیں۔ (۱۸)

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کی مجالس قانون جن میں نمائندگان کی اکثریت علم و فضل کے بجائے دولت و ثروت اور دوسرے سیاسی و انتخابی نعروں اور ہتھکنڈوں کے ذریعے منتخب ہونے والوں کی ہے، لیکن اس قباحت کو ایک مسلسل، سیاسی عمل کے ذریعے سے، رائے دہندگان کی سیاسی تربیت میں مثبت تبدیلیاں پیدا کرکے اور امیدواروں کے اوصاف اور

اہلیت کا معیار مقرر کرکے ختم کیا جاسکتا ہے۔ ماہرین فقہ کے ساتھ ساتھ جدید علوم وفنون سے آراستہ اہل فکر کی ایک جماعت بھی، جو اجتہادی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو، ایسے امور میں مجلس قانون ساز کی معتمد و معاون ثابت ہوسکتی ہے۔ ملک میں پہلے سے آئینی طور پر قائم اسلامی نظریاتی کونسل کو زیادہ بہتر طور پر موثر بنانے کے لئے قانون سازی کی جاسکتی ہے۔ علامہ اقبال نے اجتہاد کا حق کسی مذہبی گروہ کی بجائے مجالس قانون ساز کو دینے کی تجویز پیش کی ہے تو وہ نا قابلِ عمل ہرگز نہیں۔

ہمارے کچھ دانشور، سیاسی عمل کے تسلسل کی تجویز کو محض اس بنا پر مسترد کردیتے ہیں کہ ہماری ٦٧ سالہ سیاسی تاریخ کا ثمرہ ہماری موجودہ اسمبلیاں ہیں جن میں چند فیصد نمائندے بھی قانون سازی کے عمل میں کسی سنجیدہ کردار کے قابل نہیں۔ ایسے میں وہ اجتہاد کے تقاضوں کو کیونکر پورا کر پائیں گے؟

ہمارے یہ دانشور اس حقیقت کو فراموش کردیتے ہیں کہ ہماری قومی سیاسی تاریخ میں طالع آزماؤں کی بار بار کی مہم جوئی کے نتیجے میں جمہوری سیاسی عمل کو پنپنے کا موقع ہی نہیں مل سکا جس کا نتیجہ موجودہ بدعنوان سیاسی کلچر کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

پروفیسر فتح محمد ملک نے بجا طور پر معروف اسکالر سید حسین نصر کے ان خیالات کو ہدف تنقید بنایا ہے کہ جن میں وہ صرف علماء کو فقہی امور پر واحد اتھارٹی کا درجہ دیتے ہیں کہ وہ صدیوں سے یہ وظیفہ سرانجام دیتے چلے آئے ہیں، لہٰذا کسی اور کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا۔ ان کے نزدیک صرف علما ہی اسلامی قانون کے متولی ہیں۔ پروفیسر ملک سخت الفاظ میں سید حسین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایران میں شہنشاہیت کی وکالت کرکے انہوں نے سلاطین کی پرستاری کا حق ادا کیا ہے (یادرہے کہ اس وقت وہ شاہ ایران کی سپاہ دانش کے سپہ سالار تھے) اسی لئے وہ اسلامی قانون پر علما کی اجارہ داری کا اثبات کرتے ہیں۔ ان کا استدلال حرف اور معنی ہر دو اعتبار سے ان علما کرام سے مستعار ہے جو اجتہاد پر اقبال کے تصورات کی نفی میں

سرگرمِ عمل چلے آتے ہیں۔ (۱۹)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی، جنہوں نے خطبات کی اہمیت اور افادیت کا علمی سطح پر اعتراف بھی کیا ہے اور اس ضمن میں اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر میں ۱۹۸۲ء میں ''خطبات اقبال پر ایک نظر'' کے عنوان سے انہوں نے تین عالمانہ خطبے بھی ارشاد فرمائے۔ (۲۰) انہوں نے اسلامی نقطۂ نظر سے خطبات کا جائزہ لیتے ہوئے اقبال کے بعض دینی تصورات پر گرفت بھی کی ہے، جو کہ ان کا حق ہے لیکن اس کے علاوہ انہوں نے دیگر علما کی پیروی میں اقبال پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ وہ فنی حیثیت سے اصول فقہ، اصول تفسیر اور اصول حدیث کا مطالعہ خاطر خواہ طور پر نہیں کر سکے تھے۔ اسی طرح فقہا کے اختلاف اور ان کے اسباب پر حضرت شاہ ولی اللہ اور دیگر علما کی کتب کا براہِ راست مطالعہ بھی نہ کر سکے تھے۔ اسی لئے خطبے میں دوسروں سے سُن کر یا غیر مستند کتابوں سے پڑھ کر اسے نقل کر دیا۔ (۲۱)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی، علامہ اقبال کی دردمندی، خلوص اور محنت کے قائل ہیں اور اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اقبال نے خطبات لکھ کر عصر حاضر کو اسلام کی حکمت اور حقانیت سے آشنا کیا ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ فقہی و اجتہادی امور میں اپنی authority کے حوالے سے کبھی کوئی دعویٰ نہیں کرتے۔ خود مولانا نے اپنے لیکچرز میں اقبال اور علامہ انور شاہ کشمیری کے حوالے سے جو واقعہ بیان کیا ہے اس سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ عصر حاضر کے مسائل کی پیچیدہ نوعیت سے پیش نظر وہ تدوین فقہ کے لئے یہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ دینی امور اور جدید علوم کے ماہرین کی اجتماعی کاوشوں کے نتیجے ہی میں اس دینی پراجیکٹ کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

''۱۹۲۸ء میں جب حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے انتظامیہ سے سخت اختلاف کے باعث دارالعلوم دیوبند سے استعفیٰ دے دیا تو علامہ نے بہت کوشش کی کہ شاہ صاحب لاہور تشریف لے آئیں۔ اسی دوران ایک روز میں علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور

دیوبند کا ذکر آیا تو علامہ نے فرمایا: ''میں شاہ صاحب کو لاہور اس غرض سے بلانا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک اس وقت اسلام کا سب سے اہم مطالبہ اور وقت کا بھی تقاضا یہ ہے کہ اسلامی قانون کی تدوین جدید کی جائے۔ میں خود یہ کام شروع کرنا چاہتا ہوں لیکن ظاہر ہے کہ میں خود تنہا یہ کام نہیں کرسکتا۔ کیونکہ میں اسلامیات کا ماہر نہیں ہوں اور اس طرح شاہ صاحب بھی تنہا اس سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ وہ جدید مسائل سے واقف نہیں ہیں۔ اس لیے کام خاطر خواہ طریقے پر اسی وقت ہوگا جبکہ میں اور وہ دونوں ساتھ بیٹھ کر کام کریں گے۔'' (۲۲)

علامہ نے اس اندیشے کو رد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ہمارے ہاں آج بھی ایسے اہل علم و فکر نہ ہونے سے برابر ہیں جو انفرادی طور پر عصری مسائل کو اسلامی نقطۂ نظر سے حل کرنے کی اجتہادی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔

فقہ اسلامی کے ماخذ

اقبال نے خطبۂ اجتہاد میں فقہ اسلامی کے چاروں ماخذ، (ا۔قرآن، ب۔حدیث، ج۔اجماع، د۔قیاس) پر مختصر مگر مدلل اور جامع بحث کی ہے جس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

قرآن

قرآن اسلامی قانون کا اولین ماخذ ہے لیکن یہ قانونی ضابطوں کا کوئی مجموعہ نہیں بلکہ اس کی حکمت یہ ہے کہ ذہن انسانی میں اس تعلق کا جو اسے کائنات اور خالق کائنات سے ہے بہتر شعور پیدا کرے۔ قرآن کا نظریۂ حیات جمود پر نہیں بلکہ حرکت اور ارتقا پر مبنی ہے جس میں حفظ و ثبات کا ایک عنصر بھی موجود ہے جو ایک طرف اس کو ماضی سے منسلک کرتا ہے اور دوسری طرف اسلام کی .... جغرافیائی حیثیت کی بدولت مستقبل میں متشکل ہونے والے وحدت انسانی کی صورت گری کرتا ہے۔ قرآنی اصولِ قوانین جامد نہیں بلکہ فکر انسانی کو وسعت اور رواداری سے ہم کنار کرتے ہیں۔ اسی کے باوصف فقہائے متقدمین نے متعدد

مکاتبِ فکر قائم کئے جو قوانین اسلام کی نشو و ارتقا کی دلیل ہیں۔

تغیرات زمانہ اور علوم کے غیر معمولی پھیلاؤ کی بدولت عالم اسلام نئی نئی قوتوں سے متاثر ہو رہا ہے۔ قرآن کے نزدیک زندگی ایک مسلسل تخلیقی عمل ہے لہٰذا مذاہب فقہ کی تعبیرات کو کیونکر حرفِ آخر قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی حد درجہ قدامت پسندی کے سبب عدالتیں فیصلے کرتے ہوئے مذاہب فقہ تک محدود ہیں نتیجتاً انسان بدل رہا ہے مگر قانون ساکت و جامد کھڑا ہے۔

حدیث

اسلامی قوانین کا دوسرا بڑا ماخذ احادیث نبوی ہیں جو ہر زمانے میں موضوع بحث رہا ہے۔ گولڈز ہیر (Goldziher) اور اس قبیل کے دوسرے مستشرقین نے احادیث کی صحت اور عدم صحت پر سوالات اُٹھائے ہیں۔ تدوین فقہ کے وقت ذخیرہ احادیث میں سے بالخصوص اجتہاد کے حوالے سے یہ امتیاز ضروری ہے کہ قانونی احادیث کو ان احادیث سے الگ رکھا جائے جن کا قانون سے تعلق نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں اقبال کی رائے یہ ہے کہ چونکہ وہ اسلام کی عالمگیر نوعیت کو بخوبی سمجھتے تھے اسی لئے انہوں نے استحسان یعنی فقہی ترجیح کا اصول قائم کیا۔ امام صاحب نے نہ صرف احادیث کو ایک ماخذ کے طور پر قبول کیا بلکہ اس ضمن میں ان کا طریق کار احتیاط اور سخت چھان پھٹک پر مبنی رہا ہے۔

اجماع

اقبال کے نزدیک فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ، اجماع، اسلام کے قانونی تصورات میں سب سے اہم لیکن عملی طور پر ایک تصور سے آگے بڑھ کر دنیائے اسلام میں ایک مستقل ادارے کی حیثیت اختیار نہ کرسکا، کیونکہ خلافت راشدہ کے بعد مطلق العنانیت کا مفاد اسی میں تھا کہ اجتہاد ایک ادارے کی حیثیت اختیار کر کے ان کے اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتا تھا۔ اقبال دنیا میں نئی ابھرتی ہوئی قوتوں سے پر امید ہیں اور بلادِ اسلامیہ میں قانون ساز مجالس

کے بتدریج قیام کو ایک ترقی پسند قدم قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ حق اجتہاد، اس طرح سے، مذاہب اربعہ کے نمائندوں سے پارلیمان کو منتقل ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں منقسم ہونے کی وجہ سے اجماع کی یہی صورت ممکن نظر آتی ہے اور جس کے ذریعے سے قوانین اسلامی میں پوشیدہ حکمتوں کو از سر نو بیدار کیا جا سکتا ہے۔

قیاس

اسلامی قانون سازی میں قیاس کو چوتھے ماخذ کی حیثیت حاصل ہے جس کی تعریف کرتے ہوئے اقبال نے اسے مماثلتوں کی بنیاد پر استدلال سے کام لینا بتایا ہے۔ فتوحات کے نتیجے میں جو ممالک اسلام کے زیرنگیں آئے وہاں کے مخصوص اجتماعی اور زرعی حالات میں جب محسوس ہوا کہ احادیث میں مذکور نظائر سے رہنمائی حاصل نہیں ہو پا رہی تو پھر حنفی فقہا نے قیاس کا راستہ اختیار کیا۔

اقبال نے قیاس کے مسئلہ پر حنفی اور شافعی فقہا کے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے اسے عراقی و حجازی یا استخراجی و استقرائی طریق کا نزاع قرار دیا ہے۔ بہرحال فقہائے متقدمین کی یہی بحثیں تھیں جو قیاس کی حدود اور دیگر متعلقات کے تعین میں معاون ثابت ہوئیں۔ نتیجتاً جس قیاس کو ابتدا میں مجتہدین کی ذاتی رائے سمجھا جاتا تھا وہ بالآخر شریعت اسلامیہ کے لئے حرکت اور زندگی کا سرچشمہ بن گیا یعنی اصول فقہ کی تعبیر و ترقی میں زندگی کے حقیقی تنوع اور حرکت کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔

امام شافعی، جن کے نزدیک قیاس کا دوسرا نام اجتہاد ہے، اسی لئے وہ سمجھتے ہیں کہ نصوص قرآنی کے اندر رہتے ہوئے اس سے کام لینے کی آزادی ہونی چاہیے۔ کیونکہ بقول قاضی شوکانی بیشتر فقہا اس امر کے قائل تھے کہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران بھی قیاس سے کام لینے کی اجازت تھی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے محض ایک افسانہ ہے۔

اقبال کا اصرار ہے کہ فقہ اسلامی کی تشکیل نو میں جرأت سے کام لینے کی ضرورت

ہے لیکن یہ محض زمانے کے احوال وظروف سے مطابقت پیدا کرنا نہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ اہم کام ہے۔ اقبال نے عصری تاریخ کے دو اہم مظاہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اولاً یورپ کی جنگ عظیم جس نے عالم اسلام کے مستحکم ترین عنصر ترکی میں بقول ایک فرانسیسی اسکالر (آندرے سرویئر Andre Servier، سعید شیخ) بیداری کی لہر دوڑا دی ہے۔ ثانیاً اسلامی ایشیا کے حوالی میں ہونے والے معاشی تجربے (مترجم خطبات، سید نذیر نیازی کے بقول اشتمالی روس) کو اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اسلام کا معنی و منشا اور اس کی تقدیر فی الحقیقت کیا ہے۔

اقبال نے خطبۂ اجتہاد کے آخر میں جس اہم ترین نقطے کی طرف ہماری توجہ مبذول کرنے کی کوشش کی ہے جو اسلام کی حقیقی غرض و غایت ہے، جسے اقبال روحانی جمہوریت (Spirtual Democrecy) کا نام دیتے ہیں اور جس کے حصول اور تکمیل کی اجتماعی جدوجہد ہمارا مقصود ومنتہا ہونا چاہیے۔ (۲۳)

جمود کے اسباب

علامہ اقبال نے خطبۂ اجتہاد میں ان اسباب سے بھی گفتگو کی ہے جو فکری جمود کا باعث بن گئے۔ انہوں نے بعض مغربی محققین کے ان خیالات سے اتفاق نہیں کیا کہ جن کی رُو سے ترکی اثرات بھی اس ذہنی روش کا سبب بنے۔ اس لئے کہ ترکی اثرات کے ظاہر ہونے سے صدیوں پہلے مذاہب فقہ قائم ہو چکے تھے۔

علامہ کے نزدیک معتزلہ کی عقلی تحریک بھی اس طرز فکر کا ایک بڑا سبب بنی کیونکہ انہوں نے بعض ایسے حساس معاملات پر بحثوں کا آغاز کیا جن کی براہ راست زد بنیادی عقائد پر پڑتی تھی یا پھر ایسا سمجھ لیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ اپنے عقائد پر سختی سے کاربند ہوتے چلے گئے اور ہر پُر خلوص کوشش کو بھی انہوں نے مشکوک انداز میں دیکھنا شروع کر دیا جو اسلام کے فکری اور اجتہادی سرمائے میں اضافے کا سبب بن سکتی تھی۔

دوسرا سبب رہبانی تصوف تھا جو غیر اسلامی اثرات کے تحت پروان چڑھا اور اس روش کا محرک بنا۔ علامہ کے نزدیک مذہبی نقطۂ نگاہ سے یہ ایک بغاوت تھی جو فقہائے متقدمین کی لفظی حیلہ تراشیوں کے خلاف پیدا ہوئی اور جس نے مسلمانوں کے بہترین دل و دماغ اپنی طرف کھینچ لئے جو بالآخر اسی میں جذب ہو کر رہ گئے۔ اس ضمن میں اقبال جناب سفیان ثوری کی مثال پیش کرتے ہیں جن کا شمار اپنے عہد کے بہترین قانونی دماغوں میں ہوتا تھا اور قریب تھا کہ وہ ایک نئے فقہی مذہب کو لے کر آگے بڑھتے، لیکن غلبۂ روحانیت کی وجہ سے وہ خشک فقہی مباحث سے بددل ہو گئے اور تصوف اختیار کر لیا۔

تیرھویں صدی کے وسط میں تاتاری حملوں نے مسلمانوں کے علوم وفنون کے سب سے بڑے اور اہم مرکز بغداد کو برباد کر کے رکھ دیا۔ یہ ایک ایسا ہولناک سانحہ تھا جس نے اسلامی سلطنت کی بنیادیں متزلزل کر دیں، یہاں تک کہ مورخین، اسلام کے مستقبل کو مایوس نظروں سے دیکھنے لگے۔ ان حالات میں فقہائے متقدمین کے چھوڑے ہوئے سرمائے میں اضافے کی تدبیر تو کیا ہوتی، اس کو محفوظ کر لینا ہی اصل فرض سمجھ لیا گیا۔ اسی حد سے بڑھی ہوئی احتیاط پسندی نے تقلید کی جڑوں کو مضبوط بنایا۔ علامہ نے ان رویوں کا تجزیہ کرتے ہوئے جو فکر انگیز نتیجہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے وہ آٹھ دہائیوں سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی فکری بحرانوں میں رہنمائی کا فریضہ ادا کر سکتا ہے اور وہ یہ کہ اگر قوم کے زوال و انحطاط کو روکنا ہے تو اس کا یہ طریق نہیں کہ ہم اپنی گذشتہ تاریخ کو بے جا احترام کی نظر سے دیکھنے لگیں یا اس کا احیا خود ساختہ ذرائع سے کریں۔ اس کے بعد علامہ نے اپنے کسی ہم عصر مفکر کا نام لیے بغیر اس کا یہ قول نقل کیا ہے:

> *"The Verdict of history as a modern writer has happily put it, is that worn-out ideas have never risen to power among a people who have worn them out."*

یعنی تاریخ کا فیصلہ ہے کہ جن فرسودہ خیالات کو خود کسی قوم نے مسترد کر دیا ہو، ان کا

احیاء اس قوم میں دوبارہ نہیں ہوسکتا۔ (۲۴)

اجتہاد، تاریخ اسلام میں

اجتہاد کے حوالے سے جو بنیادی اصول ہمیشہ خلفاء وفقہا کے پیش نظر رہا وہ یہی تھا، اور جسے ڈاکٹر صبحی محمصانی نے جمہور فقہا کے متفقہ اصول کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ اگر قرآن وسنت کا کوئی حکم دین وعبادت کے متعلق ہے تو وہ قیامت تک کے لئے ہے اور ان ضابطوں میں نص کے حکم کی اطاعت لازمی ہے اور زماں ومکان اور حالات کی تبدیلی کا کوئی اثر ان پر نہ ہوگا۔ لیکن معاملات دنیاوی سے متعلق جو احکام ہیں ان کے مقاصد معقول ہیں کیونکہ وہ لوگوں کو نفع پہنچانے اور انہیں نقصانات سے بچانے کے اصول پر مبنی ہیں۔ فروعی مسائل میں تبدیلی کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ احکامات دنیاوی سے متعلق اصول ہے کہ اس کا منشا ومفہوم اور اس کے اسباب وعلل پر غور وفکر کیا جانا چاہیے۔ مقاصد شریعت کے بارے میں ابن القیم کا قول سب سے بہتر ہے کہ جس کے مطابق شریعت کی بنیاد حکمتوں اور لوگوں کی دنیاوی واُخری فلاح وبہبود پر ہے اور شرع کُل کی کُل انصاف ہے، سراسر رحمت وحکمت ہے پس جس مسئلے میں انصاف کی بجائے ظلم ہو، رحمت کی بجائے زحمت ہو، فائدے کی بجائے نقصان ہو اور عقل کی بجائے بے عقلی ہو، وہ شریعت کا مسئلہ نہیں چاہے اُسے بذریعہ تاویل شرع میں داخل کرلیا گیا ہو۔ (۲۵)

ڈاکٹر محمصانی نے بعض خلفاء، آئمہ اور فقہائے اسلام کے ایسے فیصلوں کے حوالے بھی دیے ہیں جہاں تغیر وتبدل زمانی ومکانی کے پیش نظر بعض قانونی نظائر یا ان کے کسی حصے کو جزدی طور پر تبدیل کردیا۔ قرآن حکیم میں صدقات میں مولفۃ القلوب کا حصہ رکھا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور عہد صدیقی میں اس پر برابر عمل ہوتا رہا۔ جناب عمر فاروقؓ نے اسے موقوف کردیا۔ مولفۃ القلوب وہ لوگ تھے جنہیں نبی کریم ﷺ اس لئے خیرات دیا کرتے تھے کہ ان کی دلجوئی ہوسکے اور اسلام پر قائم رہیں۔ جناب عمر فاروقؓ کا موقف یہ تھا کہ اب اللہ تعالیٰ نے

اسلام کو طاقتور بنا دیا ہے اور تم سے بے نیاز کر دیا ہے پس اگر تم اسلام پر قائم رہو تو تمہارے لئے بہتر ہے ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ حضرت عمرؓ نے قحط کے سال میں لوگوں کی ضرورت اور ان کی بقا کے پیش نظر چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا کو موقوف کر دیا اور اسی پر فقہا کا اجماع ہے۔ (۲۶) اسی طرح قرآن مجید میں صاف حکم ہے کہ مسلمان کتابیہ یعنی یہودی اور عیسائی خواتین سے نکاح کر سکتے ہیں لیکن خلافت فاروقی میں رومی خواتین کے حسن و جمال کے باعث ان سے نکاح کا رجحان بڑھ گیا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کی ممانعت فرما دی۔ لوگوں نے کہا مگر قرآن میں تو یہ جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں شرعاً یہ اب بھی جائز اور مباح ہے لیکن اگر تم لوگوں میں رومی عورتوں سے نکاح رچانے کا رجحان اسی طرح بڑھتا رہا تو دوشیزگان عرب کا انجام کیا ہوگا۔ اسی لئے میں حکماً اسے ممنوع قرار دیتا ہوں۔ (۲۷)

خلفائے راشدین کے عہد میں اجتہادی فیصلوں کی ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن میں سے صرف چند پر ہی اکتفا کیا گیا ہے جن سے یہ ثبت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد ان کے قریب ترین اصحابؓ نے بھی مسندِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد، اجتہاد کی اہمیت کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اپنے فیصلوں میں اسے ایک رہنما اصول کی حیثیت دی جس کے دور رَس اثرات بعد کے آنے والے زمانوں پر بھی مرتب ہوئے۔

اسلام کی عالمگیر تحریک کو سب سے زیادہ نقصان ملوکیت سے پہنچا۔ علامہ کے نزدیک اسلام، حریت، اخوت اور مساوات سے عبارت ہے۔ ایک آزاد مسلمان ہی صحیح معنوں میں مسلمان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ترکی میں پارلیمان کے قیام کو خوش آئند قرار دیا۔ وہ ترکوں کے اجتہاد کو سراسر درست قرار دیتے ہیں جس کی تائید میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

برصغیر میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے اقتدار کے نکلتے ہی ان کے فکری زوال کا بھی

آغاز ہوگیا۔ ان حالات میں شاہ ولی اللہؒ کے مجتہدانہ کردار نے معاشرتی برائیوں کے خاتمے میں رہنمائی فراہم کی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد بالخصوص مسلمانوں کے لئے ایک سخت آزمائش کا زمانہ آیا جب ان کو معاشی مفادات کے ساتھ ساتھ اپنے عقائد کے تحفظ کی فکر بھی دامن گیر ہوئی۔ وہ سیاسی محکومی کے ساتھ ساتھ ذہنی پسماندگی اور مایوسی کے بھی شکار تھے۔ جب سید احمد خاں ایک ایسے رہنما کے طور پر ان کی مدد کے لئے آگے آئے اور انہوں نے خوف و ہراس کی فضا میں ان کے اعتماد کو بحال کرنے کی کوشش کی بلکہ زمانے کی رفتار کا ساتھ دینے کے لئے ان کو جدید علوم کے حصول کی بھی دعوت دی۔ سرسید ایک باعمل انسان تھے اور عمل پیہم اور بے لوث جدوجہد پر یقین رکھتے تھے۔ مسلمانانِ برصغیر کی زندگی کا کوئی اہم پہلو ایسا نہ تھا جس میں انہوں نے بھرپور رہنمائی کا فریضہ ادا نہ کیا ہو۔ انہوں نے تقلید پرستی کی زبردست مخالفت کی اور مسلمانوں کو عصر حاضر کے چیلنج کو قبول کرکے آگے بڑھنے کا درس دیا۔ سید احمد خاں کی اس تحریک کو علامہ اقبال نے ایک عظیم جدوجہد میں تبدیل کردیا جسے محمد علی جناح کی مدبرانہ قیادت نے تکمیل تک پہنچایا اور اس طرح سے برصغیر میں ایک آزاد اسلامی مملکت کا قیام ممکن ہوسکا۔

عصر حاضر میں اجتہاد طلب مسائل

بیسویں صدی کی مسلم دنیا میں اقبال وہ واحد مفکر اور رہنما ہیں جنہوں نے نہ صرف اجتہاد کی اہمیت کو سمجھا بلکہ سامراجی عزائم کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے بعض مغربی اسکالرز (مستشرقین) کے اس متعصبانہ اعتراض پر کہ فقہ اسلامی جمود کی شکار ہے، اجتہاد کو ہیئت اسلامی میں اصول حرکت کی حیثیت سے پیش کیا۔

یہ درست ہے کہ اقبال نے اپنے لیکچر میں اپنے عہد کے اہم اجتہاد طلب مسائل کی کوئی فہرست پیش نہیں کی لیکن مسئلہ اجتہاد پر اس قدر زور دینے کا مقصد ہی یہ تھا کہ اجتہاد کی

اہمیت کو نہ صرف سمجھا جائے بلکہ اس کو ایک رہنما اصول کے طور پر مسائل کے حل میں جگہ دی جائے تاکہ اسلام کی حکمتوں سے معاشرے میں رہنمائی اور آسانی فراہم ہو سکے۔

آج کی اسلامی دنیا سیاسی، سماجی اور معاشی سطح پر کئی طرح کی پیچیدگیوں کی شکار ہے۔ چند ممالک کو چھوڑ کر بیشتر اسلامی ممالک پر آمرانہ طرز کی حکومتیں مسلط ہیں۔ اسی آمرانہ تسلط کا نتیجہ ہے کہ علوم وفنون اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز بیسویں صدی میں ان ممالک نے کوئی بڑا مفکر یا سائنس دان پیدا نہیں کیا۔

بعض مغربی طاقتوں کا سامراجی کردار اور ایشیا میں بالخصوص مسلم دنیا کو سیاسی اور معاشی طور پر عدم استحکام سے دوچار کردینے والی عوام دشمن پالیسیاں یقیناً قابلِ مذمت ہیں لیکن جدید علوم کے حصول کی دوڑ میں ہمارا تذبذب اور ناقابل فہم رویہ سامراجی ممالک کی پالیسیوں سے کہیں زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہوا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ تقلید اور تنگ نظری کے دائرے سے نکل کر فکر وتدبر کی شاہراہ پر گامزن ہونے سے گریز کی پالیسی کا ناگزیر نتیجہ اسلامی حکمتوں سے محروم معاشروں کی صورت میں کوئی روشنی اور عمل داری نظر نہیں آتی۔ اقتدار کی رسہ کشی، ہر صورت میں اقتدار قائم رکھنے کے لئے سامراجی طاقتوں کی کاسہ لیس اور غلامی جیسی لعنتوں کی وجہ سے نہ جمہوری سوچ پروان چڑھی اور نہ ہی اجتہادی کلچر کو فروغ حاصل ہوا البتہ نام نہاد جہادی کلچر زور پکڑتا چلا گیا۔ سرمایہ دارانہ مغربی جمہوریت کو ایک سیاسی طرز حکومت کے طور پر اقبال نے کبھی بھی ذہنی طور پر قبول نہ کیا۔ اگر وہ اس کو قبول کرتے تو صرف اس لئے کہ یہ ان کے تصور روحانی جمہوریت (Spiritual Democracy) کی ایک جزوی تعبیر ہے اور روحانی جمہوریت ان کے لئے Ultimate aim of Islam ہے۔

آج جبکہ ایک طرز فکر وسیاست کے طور پر جمہوری سیاسی نظام کو، اُس کی خامیوں سمیت ایک مقبول اور مثالی سیاسی نظام قرار دیا جاتا ہے اور اس کا ایک ثبوت یہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے کہ طاقت کے زور پر اقتدار پر قابض ہونے والے غیر جمہوری حکمران بھی اپنی

حکومتوں کو جمہوری ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا پورا زور صرف کر دیتے ہیں۔ جمہوریت کے بالمقابل اسلامی طرز حکمرانی کے حوالے سے کوئی اجتہادی کاوش نظر نہیں آتی۔ البتہ ہمارے یہاں جمہوریت کو مغربی اور سیکولر نظام قرار دے کر مسترد کر دینا ایک مخصوص ذہنیت کا عمومی رویہ ہے۔ آج مسلم ممالک کے اندر ایسی انتہا پسندانہ تنظیمیں بھی متحرک ہیں جو جمہوریت کو کافرانہ نظام قرار دیتی ہیں لیکن اس کے بالمقابل کوئی ایسا متبادل بھی پیش نہیں کر سکی ہیں جس پر دینی سطح پر اتفاق ہو۔

اجتہاد طلب مسائل میں سرفہرست اجتہاد کو Institutionalize کرنے کا مسئلہ بھی ہے کیونکہ اسے ایک ادارے کی حیثیت دیئے بغیر مسائل کا مجتہدانہ جائزہ لیا جا سکتا ہے نہ ہی اس کا کوئی حل پیش کیا جا سکتا ہے۔

خوارج اور سبائی فدائین کی طرز پر کام کرنے والی تنظیمیں دین کے نام پر خودکش حملوں کو جائز سمجھتی ہیں۔ ان کا دائرہ عالمی اور قومی سطح تک پھیلا ہوا ہے لیکن کئی حوالوں سے غیر معین بھی ہے۔ اس لئے اب تک ہزاروں نہتے اور بے گناہ شہری ان کی دہشت گردی کا شکار ہو چکے ہیں۔ وہ مذہب کا علم تھامے ہوئے ہیں لیکن پبلک مقامات کے علاوہ، عبادت گاہیں اور مزارات بھی ان کی دست بُرد سے محفوظ نہیں۔ انفرادی حیثیت میں علما ان خودکش حملوں کو حرام قرار دے چکے ہیں لیکن یہ مسئلہ اجماع اُمت کے ذریعے ہی موثر طور پر حل ہو سکتا ہے۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ بربادی کی ان قوتوں کو معاشرتی سطح پر ایک حلقہ کا تعاون بھی حاصل ہے گو وہ حلقہ محدود ہے لیکن وہ مذہب کے نام پر ان کے لئے فنڈ بھی اکٹھے کرتا ہے اور ان کی تائید کے لئے ہر قسم کے پروپیگنڈے کو جائز سمجھتا ہے۔ خودکش حملہ آوروں کی حکمت عملی کو بعض ماہرین نے Power of the powerless and powerlessness of the powerful کے اصول سے منسلک کیا ہے۔ وہ عالمی آقاؤں اور ان کے مسلط کردہ کٹھ پتلی حکمرانوں کے مظالم کو اپنے خود حملوں کی وجہ قرار دیتے ہیں لیکن ان خودکش حملوں کی زد میں آنے والے

معصوم ہم وطن کس کے مظالم کے شکار ہو رہے ہیں؟ کیا یہ سنگین مسئلہ اجتہادی توجہ حاصل نہیں کر سکتا۔

معاشی سطح پر قومی وسائل کی منصفانہ تقسیم اور قومی مفادات میں اُن کا استعمال خصوصاً ملک کی نصف سے زائد آبادی، جو سسک سسک کر زندگی گزارنے پر مجبور ہے اور جس کے بارے میں اقبال کا تجزیہ یہ ہے کہ غربی قوائے انسانی پر ایسے بُرے اثرات مرتب کرتی ہے کہ اس کا آئینہ روح زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اخلاقی اور تمدنی طور پر اس کا وجود و عدم برابر ہو جاتا ہے۔ اسی اقبال کے دل سے یہ آہ بھی نکلتی ہے کہ کیا ہر فرد مفلسی کے عذاب سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ کیا گلی کوچوں میں سسک سسک کر رہنے والوں کی دلخراش صدائیں صفحۂ عالم سے کبھی مٹ نہیں سکتیں۔ (۲۹) ریاست کی ذمہ داری نہیں کہ ان کے حیاتی تحفظ اور عزت نفس کی بحالی کے لئے نظامِ زکوٰۃ کی برکات کا رُخ اُن کی طرف پھیر دے۔

غربت و افلاس کے خاتمے، سود کی حرمت، بینکوں کی بچت اسکیمیں، جی پی فنڈ پر ملنے والا منافع، بیواؤں اور پنشنرز کے ماہانہ اکاؤنٹ انسانی زندگی بچانے کے لئے اعضا کا عطیہ اور اعضا کی پیوند کاری، خاندانی منصوبہ بندی، عائلی قوانین کے متنازعہ پہلو اور دیگر سینکڑوں اجتہاد طلب مسائل، ادارۂ اجتہاد کی توجہ کے طالب ہیں۔ لیکن ادارۂ اجتہاد ہے کہاں؟

حوالہ جات

۱۔ خطبات اقبال (انگریزی) کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، ہمارے پیش نظر درج ذیل ایڈیشن ہے:

Allama Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, edited and annocated by M. Saeed Sheikh,

Istitute of Islamic Culture, Lahroe, 4th Edition, 1999.

اس کے اردو ترجمے کے لئے تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، از سید نذیر نیازی شائع کردہ بزم اقبال لاہور طبع سوئم ۱۹۸۶ء اور پروفیسر عثمان کی ترجمانی ''فکر اسلامی کی تشکیل نو'' شائع کردہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۲۔ راغب اصفہانی، مفردات القرآن (جلد اول) ترجمہ، محمد عبدہ فیروز پوری، ناشر شیخ شمس الحق، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۹۹

۳۔ فرہنگ اقبال، مولفہ و مرتبہ نسیم امروہوی، اظہار سنز، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۹

۴۔ ایضاً، ص ۹

۵۔ محی الدین غازی اجمیری، مصطلحات علوم و فنون عربیہ، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۷۶ء۔۱۹۷۸ء، سلسلہ مطبوعات شمارہ ۳۸۸، ص ۲۳، ۲۴

۶۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۲۳، ۲۲۷، ۲۲۸

7. The Reconstruction of Religious thought in Islam, P117,118

۸۔ سورۃ العنکبوت کی آخری آیت (۶۹) کا ترجمہ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ترجمان القرآن سے لیا گیا ہے جسے ادارہ ترجمان القرآن لاہور نے شائع کیا۔ دیکھیے ۲۸ ویں اشاعت مئی ۲۰۱۲ء، ص ۱۰۲۹

۹۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۲۸، سید نذیر نیازی نے متن کے حاشیہ (۴۰) میں وضاحت کی ہے کہ یہ ابن عبدالبر کی روایت ہے اور حضرت معاذ کی زبان سے بیان ہوئی ہے۔

۱۰۔ مولانا محمد طاسین کا مضمون بعنوان، اجتہاد اور اجتہادی مسائل، مشمولہ ماہنامہ حکمت قرآن، لاہور، جولائی ۱۹۸۸ء، ص ۲۰، ۲۱

۱۱۔ کلیات مکاتیب اقبال (حصہ دوم) مرتبہ سید مظفر حسین برنی، ترتیب پبلشرز، لاہور، تاریخ اشاعت ندادر، ص ۴۴۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۴۴۷، ۴۴۸

۱۳۔ کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۳۴/۵۳۴

۱۴۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۵۴

۱۵۔ ڈاکٹر خالد مسعود نے اجتہاد کے حوالے سے رائے، قیاس، عقلیت پسندی اور تقلید جیسی اصطلاحات کی تفصیلی وضاحت اپنی تصنیف ''Iqbal's Reconstruction of Ijtehad'' میں کی ہے جو ص ۲۱ تا ۳۱ اور پھر ص ۶۰ پر دیکھی جا سکتی ہے۔ مذکورہ تصنیف اقبال اکادمی پاکستان لاہور کی بابت سے پہلی بار ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی۔ ہمارے پیش نظر اس کا ۲۰۰۹ء میں شائع ہونے والا تیسرا ایڈیشن ہے۔

۱۶۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۶۸

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۴۲۔۲۴۳

۱۸۔ سید سلیمان ندوی سے منسوب املائی ملفوظات کے لئے دیکھیے ماہنامہ ساحل کراچی، (جون ۲۰۰۶ء کا شمارہ)

۱۹۔ پروفیسر فتح محمد ملک نے سید حسین نصر کے خیالات پر تنقید ان کی تصنیف ''Ideals & Realities of Islam'' کے حوالے سے کی ہے جو ۱۹۷۵ء (طبع دوم) میں جارج ایلن اینڈ ان ون کی جانب سے شائع ہوئی۔ پروفیسر ملک کا مضمون بعنوان ''اقبال، اجماع امت اور قیام پاکستان'' ڈاکٹر ایوب صابر/محمد سہیل عمر کی مرتبہ اقبال کا تصور اجتہاد میں شامل ہے۔ یہی مضمون، عنوان میں جزوی ترمیم، اقبال، اجماع امت اور قرآن حکیم کے ساتھ ان کے نثری کلیات، کھوئے ہوؤں کی جستجو، شائع کردہ نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء، میں بھی شامل ہے۔ دیکھیے ص ۲۴۶

۲۰۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے یہ لیکچرز ''خطبات اقبال پر ایک نظر'' کے عنوان سے کتابی صورت میں اقبال اکادمی پاکستان لاہور کی جانب سے شائع ہو چکے ہیں۔

۲۱۔ خطبات اقبال پر ایک نظر، ص ۶۸

۲۲۔ ایضاً، ص ۶۶، ۶۷

۲۳۔ اقبال نے قوانین اسلامی کے ماخذ کے بارے میں جو طویل بحث کی ہے وہ خطبے کے آخر میں کئی صفحات پر مشتمل ہے۔ دیکھیے تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۵۵ تا ۲۷۷

۲۴۔ اقبال نے اسلامی تاریخ میں فکری جمود کے اسباب پر سیر حاصل بحث کی ہے جسے خطبۂ اجتہاد کا ایک اہم حصہ تصور کیا جاتا ہے۔ دیکھیے ص ۲۲۹ تا ۲۳۳

۲۵۔ ڈاکٹر صبحی محمصانی، فلسفۂ شریعت اسلام، مترجم مولوی محمد احمد رضوی، مجلسِ ترقی ادب لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۲۰۹ تا ۲۱۶ پر پھیلی ہوئی بحث سے مفہوم اخذ کیا گیا ہے۔

۲۶۔ فلسفۂ شریعت اسلام، ص ۲۱۷۔۲۲۰

۲۷۔ خطباتِ اقبال پر ایک نظر، ص ۷۷

۲۸۔ ایضاً، ص ۶۳۔۶۴

۲۹۔ دیکھیے دیباچہ، علم الاقتصاد، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۳۰، ۳۱